چوتھی اور آخری قسط

زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

خلیفہ کے اختیارات

حکومتِ الٰہی میں زمین و جائداد ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ عام مفاد اور خدمتِ خلق کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی جب تک مفادِ خلق کی خدمت ہوتی رہتی خلافت کو کوئی دخل دینے کی ضرورت نہ تھی اگر اس کی خلاف ورزی ہوتی تو خلافت ہر قانون اور ہر تصرف کی مجاز تھی۔

قوم جبیلہ سے "قطائع" واپس لے لینا اور بلال بن حارثؓ مزنی کے قبضہ سے غیر آباد آراضی نکال لینا اور اس قسم کے جتنے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اور اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

لنا رقاب الارض [1] زمینیں دراصل ہماری (خلافت کی) ہیں

[1] الاموال ص ۲۷۹

اور حضرت علیؓ نے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

ان ارضك فلنا [1] بے شک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے

انہی تصریحات کے پیش نظر ابو بکر حصاصؒ کہتے ہیں۔

ہر وہ زمین جس کی آبادکاری سے لوگ عاجز رہیں اور حقوقِ عامہ پائمال ہوں تو اس کے انتظام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار ہے۔ [2]

اور قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔

ولا یخرج من یده من ذلك شیئا الا بحق یجب له علیه فیا خذه بذلك الذی وجب له [3]	اہل قطائع کو خلیفہ (بلاوجہ) بے دخل نہ کرے، ہاں اگر حقوق واجبہ کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو بے دخل کرنے کا پورا اختیار ہے۔

قاضی صاحب کا یہ جملہ "الا بحق یجب له علیه" قابل غور ہے اپنے عموم مفہوم کی بناء پر حقوقِ عامہ ہر جائز حق اور خلیفہ کے ہر جائز تصرف کو شامل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

ان نواحي دار الاسلام تحت یدامام المسلمین [4]	دارالاسلام کے جملہ اطراف خلیفۃ المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں

علامہ عینی ایک موقع پر کہتے ہیں

ان حکم الاراضی الی الا مام [5]	دراصل زمین کا معاملہ خلیفہ کے سپرد ہے

اسی لئے خلیفہ کو مفادِ عامہ کے پیش نظر موقوفہ آراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز ہے۔ چنانچہ آراضی موقوفہ کی بحث میں فقہ کی یہ تصریح ہے:

---

[1] الاحکام القرآن (ج ۳) ص ۵۳۳

[2] حوالہ بالا [3] الخراج ص ۶۰

[4] مبسوط (ج ۱) ص ۹۳ از اسلام کے معاشی نظریے [5] عینی (ج ۶) ص ۲۹

لان اصلها لبیت المال [1] اس لئے کہ زمینیں حقیقتاً بیت المال (حکومت) کی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حکومت الٰہی میں زمین جائیداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب تھا کہ قابض کو بحیثیت امین اس کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ امانت اس کے قبضہ میں اسی وقت تک باقی رکھی جاتی جب تک وہ خلق اللہ کے مفاد میں خلافت کا ہاتھ بٹا سکتا اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار بنتا جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو۔ جب اس کی خلاف ورزی ہوتی اور امانت میں خیانت کا اندیشہ ہوتا تو خلیفہ بلا پس و پیش اسے آرائشی سے بے دخل کر دیتا یا جو بہتر صورت مناسب ہوتی عمل میں لاتا تھا۔

خلیفہ کے اس اقدام میں نہ حقوقِ ملکیت کا "گورکھ دھندا" حائل ہوتا اور نہ جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی تھیں چونکہ خلافت کے لئے ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا بھی ناگزیر تھا اس لئے ہر تصرف اور ہر فیصلہ میں اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔

صاحب زمین کے اختیارات

زمانۂ خلافت میں صاحب زمین کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل تھے:

وقف : وقف کا دستور قرن اول میں بکثرت پایا جاتا ہے اسلام میں سب سے پہلے واقف حضرت عمرؓ نے اپنا خیبر کا حصہ جو فوجیوں میں تقسیم کے وقت آپ کو ملا تھا فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ [2]

حضرت طلحہؓ نے اپنا محبوب ترین باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ [3]

حضرت علیؓ نے مصر میں زمین اور مکان وقف کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مکہ اور مدینہ کے مکانات وقف کیے حضرت سعدؓ نے ایک مکان مدینہ میں اور ایک مکان مصر میں وقف کیا۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا وہ مکان وقف کر دیا جس میں رسول اللہؐ نے قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زبیرؓ بن العوام نے اپنے مکہ کے مکان وقف کیے۔ فاروق اعظمؓ نے مکہ میں مروہ کے پاس کا مکان وقف کیا ان کے علاوہ بکثرت اوقاف متعدد احادیث سے

[1] درالمختار (ج ۱) [2] بخاری و مسلم [3] بخاری کتاب التفسیر

ثابت ہیں[1]

ایک شخص نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد ایک باغ صدقہ کر دیا تھا۔[2]

عینی شارح بخاری کہتے ہیں۔

وقف اور صدقہ دونوں قریب المعنی اور دونوں کا ایک حکم ہے[3]

وقف کی صحت کے بعد واقف کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہتا بلکہ اس کا پورا انتظام خلافت کے ذمہ ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ نے موقوفہ زمین کے متعلق فرمایا

لاتباع ولا توھب ولا تورث[4] نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ وراثت جاری ہو

چونکہ آراضی کا اصل تعلق خلیفہ اور بیت المال سے ہوتا تھا اس لئے خلافت کو عام مفاد کے پیش نظر واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت کا بھی حق حاصل تھا۔

اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح ہے۔

ان السلطان یجوز له مخالفة الشرط اذاکان غالب جهات الوقف قری ومزارع فیعمل بامره وان غایر شرط الواقف لان اصلها لبیت المال[5]

جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمین ہو تو خلیفہ کا حکم نافذ العمل ہوگا اگرچہ واقف کی شرائط کے خلاف ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں دراصل بیت المال کی ہیں۔

ہبہ : جائداد غیر منقولہ زمین، مکانات، باغات کا ہبہ قانوناً صحیح مانا جاتا تھا کلام عرب میں اس کے ہبہ کے لئے کئی لفظ مستعمل تھے، مثلاً

عمریٰ : قرآن کریم میں اس کا مادہ یہ ہے

واستعمرکم فیها پ[12] اللہ نے تم کو زمین میں بسایا

محدثین و فقہا کے اقوال اور اہل زبان کے محاورہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے

---

[1] نصب الرایہ [2] عینی (ج ۶) ص ۵۱۴ [3] حوالہ بالا [4] بخاری و مسلم [5] درالمختار (ج ۱)

کہ عمریٰ کے معنی "زمین، باغ، مکان کسی کو پوری زندگی کے لئے دے دینا" کے ہوتے تھے۔[1]

زمانۂ خلافت میں اس قسم کے عطیات عموماً تین طرح دیئے جاتے تھے۔

(۱) زمین یا مکان رہنے اور کاشتکاری کے لئے کسی کو دے دیا اور یہ بات بھی صاف کر دی کہ تو اس کا مالک ہے اور تیرے بعد تیرے ورثہ مالک ہوں گے۔

(۲) صرف اتنا کہا کہ یہ تجھ کو دیتا ہوں مرنے کے بعد کا کچھ ذکر نہ کیا۔

(۳) دیتے وقت یہ شرط کر لی کہ ترے مرنے کے بعد میری طرف یا میرے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

ان تین صورتوں میں موہوب لہ (جس کو دی گئی ہے) موہوبہ شے کا مالک ہو جاتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی، دینے والے کا کوئی حق نہ رہ جاتا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ کا فرمان یہ ہے۔

"عمریٰ اس شخص کی ملک ہے جس کو دیا گیا پھر اس کے بعد اس کے ورثہ پر منتقل ہو جائے گا۔[2]

عام طور پر لوگ دیتے وقت واپسی کی شرط کر لیا کرتے رسول اللہ نے شرط کو باطل قرار دیا اور اصل ہبہ کو جائز رکھا تھا۔[3]

بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملات میں شرطوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور عمریٰ میں شرط باطل قرار دی جاتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حدیثوں میں وہی شرطیں مراد تھیں جن کے جواز میں نص صریح ہو یا کم از کم شارعؑ کے اقوال و افعال سے اس کی تردید نہ ہوتی ہو رہ گئیں وہ شرطیں جو اصولاً لغو اور باطل ہوتیں یا باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں تو ان کے جواز کی یا باقی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔[4]

جن بعض حدیثوں میں اس قسم کے عطایا سے ممانعت آتی ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

---

[1] احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳ [2] بخاری و مسلم وغیرہ [3] مسلم (ج ۲) باب العمریٰ نیز عینی (ج ۶) ص ۳۱۰ و احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳ [4] شرح معانی الآثار اور نووی شرح مسلم (ج ۲) ص ۳۸

(۱) عام طور سے انہیں شرائط کے ساتھ عطیہ دئے جاتے جو جاہلیت میں رائج تھے۔[1] اور وہ عموماً باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں۔

(۲) رسول اللہ بحیثیت خلیفہ اس قسم کے تصرفات سے محض اس بناء پر روک دیتے کہ آپ کو لوگوں کی ضرورتوں کا علم تھا ابتداءً کسی شے کا دے دینا آسان ہوتا ہے بعد میں اس کا خمیازہ بھگتنا مشکل ہوتا ہے۔

چنانچہ عینیؒ کہتے ہیں۔

رسول اللہ کو اصل مالکوں کی ضرورت اور صبر نہ کر سکنے کا علم تھا اس بناء پر آپ نے منع فرمادیا تھا۔[2]

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں۔

اس ممانعت سے رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو صحیح حقیقت حال سے آگاہ کر دیں کہ اس قسم کے عطایا اسلامی اصول کے مطابق تمہاری ملکیت سے نکل جائیں گے اس لئے جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو اب ایسا نہ ہو گا کہ دینے کے بعد پھر واپس لے لو جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔[3]

حاصل یہ ہے کہ زمانۂ خلافت میں عمریٰ اسی وقت قابل تسلیم تھا جب کہ دینے والے کے حالات اس کی اجازت دیتے ہوں ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

رقبیٰ

رقبیٰ کی ایک یہ صورت منقول ہے کہ

کوئی شخص کسی سے کہتا کہ میں نے اپنا گھر یا زمین تجھ کو دے دیا اگر میں پہلے مروں گا تو تیرے پاس رہے گا اور تو مرے گا تو میرا ہو جائے گا۔[4]

اس صورت میں تملیک مرنے کے بعد معلق رہتی تھی۔

رقبیٰ کی ایک صورت یہ بیان کی جاتی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ

میں نے تجھ کو مالک بنادیا اس شرط پر کہ اگر تو پہلے مرے تو میری طرف واپس آئے گا

---

[1] عینی (ج ۶) ص ۳۰۹ [2] حوالہ بالا [3] نووی (ج ۲) ص ۳۸ [4] عینی (ج ۶) ص ۳۰۹

اور میں پہلے مروں تو ترے ہی پاس رہے گا۔[1]

اس صورت میں انتظار رجوع اور عدمِ رجوع کے متعلق ہوتا تھا اور تملیک فی الحال ہو جاتی تھی، رقبیٰ کے حکم کے بارے میں امام نسائی نے ابن عباس سے موقوفاً یہ روایت نقل کی ہے۔

العمریٰ والرقبیٰ سواء[2] عمریٰ اور رقبیٰ دونوں برابر ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں رقبیٰ کی جو صورت رائج تھی وہ عمریٰ سے زیادہ مختلف نہ تھی اسی لئے دونوں کا یکساں حکم بیان کیا گیا۔ اگر ایک میں فی الحال تملیک پائی جاتی اور دوسرے میں معلق رہتی تو یکسانیت کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔

کیونکہ لغوی اعتبار سے عمریٰ کے معنی آباد کرنا اور رقبیٰ کے معنی انتظار کرنے کے ہیں اسی لئے محققین کے نزدیک رقبیٰ کی دوسری تعریف صحیح سمجھی جاتی ہے اور زمانۂ خلافت میں رقبیٰ کی جو صورت رائج تھی اس کا حکم عمریٰ جیسا بیان کیا جاتا ہے۔

اس باب میں ممانعت کی حدیثوں کا وہی جواب ہے جو عمریٰ میں مذکور ہو چکا ہے اور ائمہ قانون کے اختلاف کی شکل حکمی اور حقیقی نہیں ہے بلکہ عرف اور رواج کی بناء پر ہے۔

یعنی جس صورت میں فی الحال تملیک نہ پائی جائے بالاتفاق ناجائز ہے اور جس میں فی الحال تملیک پائی جاتی ہو اس کو سب ائمہ جائز کہتے ہیں۔[3]

منحة : رسول اللہ نے فرمایا

من کانت له ارض فلیزرعها اولیمنحها اخاه (مسلم ابو داؤد) جس کے پاس زمین ہو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو مفت دے دے۔

ابن بطال کہتے ہیں۔

"منحة" جس میں منافع کا مالک بنایا جائے ذات کا نہیں۔[1]

---

[1] المعتصر از فیض الباری للعلامہ انورؒ [2] عمدۃ القاری (ج ۶) ص ۳۰۸ [3] حاشیہ شرح وقایہ و کنز الدقائق و تقریر ترمذی للشیخ الہند و فیض الباری (ج ۳)، و عمدۃ القاری (ج ۶) ص ۳۰۸

نوویؒ کہتے ہیں۔

"منحة" عاریۃ ہے۔[۲]

انور شاہؒ کہتے ہیں۔

کسی کو انتفاع کے لئے زمین مفت دے دینا۔[۳]

منجد میں ہے۔

"المنحة العطية"

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں ایسے موقع پر منحۃ کے معنی کسی کو کاشت کے لئے مفت زمین دے دینے کے ہوتے تھے۔

زمانۂ خلافت میں امداد باہمی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کاشت کے لئے مفت زمین دے دی جاتی۔ کاشتکار اپنے اخراجات سے کاشت کرتا اور پوری پیداوار اسی کی ہوتی۔

اس قسم کی زمین کا حکم یہ تھا کہ کاشتکار جب اس سے مستغنی ہو جاتا یا جتنی مدت کے لئے زمین دی گئی ہے وہ مدت ختم ہو جاتی تو زمین اصل مالکوں کے حوالہ کی جاتی تھی۔

رسول اللہ نے کھجور کا پھلدار درخت اس سے مستغنی ہو جانے کے بعد ام انسؓ کو واپس کر دیا تھا اور مہاجرین نے انصار کے بہت سے عطایا واپس کر دیئے تھے۔[۴]

حق شفعہ : شفعہ دراصل ایک حق ہے جو جائداد غیر منقولہ کی بیع کے وقت شریک کو اگر وہ نہ ہوتا تو پڑوسی کو پہنچتا تھا۔

اس بارے میں رسول اللہؐ کا یہ فرمان ہے۔

"شریک بہ نسبت پڑوسی کے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی بہ نسبت غیر کے زیادہ مستحق ہے۔[۵]

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

"شریک زیادہ حقدار ہے اگر شریک نہ ہو تو پھر پڑوسی۔[۶]

حکومتِ الٰہی میں اس حق کا یہاں تک لحاظ کیا گیا تھا کہ شریک کی موجودگی میں بغیر اس کو

---

[۱] عینی (ج ۶) ص ۳۱۶ [۲] نووی (ج ۲) ص ۱۲ [۳] فیض الباری (ج ۳) ص ۳۰۲ [۴] عینی (ج ۶) ص ۳۱۶

[۵] مصنف عبدالرزاق از نصب الرایہ و عینی [۶] مصنف ابن ابی شیبہ از نصب الرایہ

اطلاع دیئے اور اگر شریک نہ ہو تو پڑوسی کو اطلاع دیئے بغیر بیچنا جائز نہ تھا۔

چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا۔

"بغیر شریک کی اطلاع دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا حلال نہیں شریک چاہے تو لے لے ورنہ چھوڑ دے اگر اطلاع دیئے بغیر فروخت کر دیا تو شریک کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر کے خود خرید لے۔[1]

پڑوسی کے متعلق آپ نے فرمایا۔

"پڑوسی زیادہ حقدار ہے اگر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔[2]

حق وراثت : صاحب زمین کے انتقال کے بعد اس کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ حسب دستور شریعت اس کے ورثہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اس قانون وراثت کے ذریعہ ایک شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین نہ رہنے پاتی جو دوسرے کی حق تلفی کی باعث بن یا دوسروں کی محنت سے خود عیشی کے سامان پیدا ہو سکیں کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق جائداد صرف بڑے بیٹے ہی کو نہیں ملتی بلکہ سب بیٹوں اور بیٹیوں اور بیویوں میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ پ ٤ . ٣٢	مردوں کے لئے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ ترکہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

چونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ ترکہ میں زمین تقسیم ہوتے ہوتے گزوں اور انچوں تک نوبت پہنچ جائے اور بہت سی وہ چیزیں تقسیم کرنی پڑیں جن کے تقسیم ہونے کے بعد پھر ان سے انتفاع کی شکل باقی نہ رہے مثلاً گھر وغیرہ تو اس کے لئے وقف علی الاولاد کی شکل نکالی گئی تھی جس سے صرف اس کا منافع تقسیم ہوتا اور شے اپنی جگہ پر

[1] مسلم و دار قطنی فی القضاء [2] نصب الرایہ ص ۱۲۷

بدستور قائم رہتی تھی اور قانونِ شفعہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ذریعہ پڑوسی اور شریک کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوتی تھی۔

بیع وشراء : زمانۂ خلافت میں متعدد صحابہ سے زمین کی خرید وفروخت ثابت ہے۔ ابو رافع ؓ صحابی نے رسول اللہ کے دیئے ہوئے قطائع فروخت کردئے تھے۔[1] عبداللہ بن مسعود، عتبہ بن فرقد، حسنؓ، حسینؓ خباب بن ارت وغیرہ نے خراجی زمینیں خریدی تھیں۔[2]

اسی بناپر صاحب ہدایہ کہتے ہیں

وقد صح ان الصحابة اشتروا اراضی الخراج[3]

یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ کرام نے خراجی زمینیں خریدی تھیں۔

رہ گئے وہ اقوال و آثار جن سے بظاہر خراجی زمین خریدنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عموماً فاتح قومیں مفتوحین کے ساتھ ہر معاملہ میں ظلم وزیادتی کیا کرتی ہیں، اسلام نے اس معاملہ میں یہاں تک احتیاط برتی کہ محض احتمال کی بناء پر اس جائز حق کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور اعلان کردیا کہ خراجی زمینیں خریدنا مناسب نہیں ہے البتہ جہاں اس کا اندیشہ نہیں تھا مفتوحین کی آزادی رائے کو برقرار رکھنے کے لئے خرید وفروخت کی اجازت تھی جیسا کہ متعدد صحابیوں کا خریدنا مذکور ہوچکا ہے۔

الغرض زمانۂ خلافت میں صاحب زمین کو اپنی زمین پر پورے اختیارات حاصل تھے تاکہ ہر شخص آزادانہ روزی کماکر اپنے ضمیر کا استقلال باقی رکھ سکے۔

ایک شبہ کا دفعیہ : ممکن ہے بعض حضرات کو ان اقوال سے شبہ ہو جن سے بظاہر صاحب زمین کے اختیارات نہیں ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہ روایت ہے کہ

"عتبہ بن فرقد نے فرات کے کنارے کچھ زمین خریدی حضرت عمرؓ کو جب اس کا پتہ چلا تو "عتبہ" سے پوچھا کہ یہ زمین تم نے کس سے خریدی ہے "کہا، زمین والوں سے" عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین والے تو یہ لوگ ہیں

---

[1] الخراج لابی یوسف ص ۶۱ [2] الخراج لیحیی ص ۵۷ و ۵۸ [3] ہدایہ (ج ۱)

کیا ان سے خریدی ہے عرض کیا "نہیں" فرمایا جس سے خریدی ہے واپس کر کے اس کی قیمت لے لو۔[1]

اور جیسا کہ حضرتؓ علی نے عراق کے ایک پرانے باشندے سے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تری زمین خراجی ہی رہے گی کیونکہ ہماری ہے "ان ارضك فلنا"[2]

حقیقت یہ ہے کہ عتبہ بن فرقد کا واقعہ زیادہ صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف منقول ہے چنانچہ "زیلعی" نے بیہقی کے حوالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال لعمراني اشتريت ارضمن ارض السواد فقال عمرانت فيها مثل صاحبها	عتبہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے سواد میں ایک زمین خریدی ہے آپ نے فرمایا کہ خراج کے معاملہ میں تم سابق صاحب زمین جیسے ہو (وہ ادا کرتا تھا تم بھی ادا کرو)

ان دونوں روایتوں میں عتبہؓ سے روایت کرنے والے شعبی ہیں جن کا نام عامر ہے اور شعبی سے روایت کرنے والے پہلی روایت میں "بکیر" ہیں جو شعبی کے صاحبزادہ ہیں اور جن کی کنیت ابو اسماعیل ہے۔ دوسری روایت میں شعبی سے روایت کرنے والے مجالد بن سعید ہیں اصول روایت کے لحاظ سے بکیر ضعیف اور مجالد قوی ہے[3] اس لئے پہلی روایت دوسری کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہ ہوگی۔

رہ گئی حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت تو اس کی تشریح و توضیح ذیل کی روایت سے ہوتی ہے۔

ایک دہقانی (زمیندار) نے اسلام قبول کیا حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنی زمین پر قایم رہو گے تو حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) ہٹادیں گے اور اس کا بدل زمین سے وصول کریں گے اور اگر زمین چھوڑ دو گے تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔

بعینہ امیرؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

وان تحولت عنها فحق احق بها[4]	اگر تو نے زمین چھوڑ دی تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں

[1] الاموال ص ۷۴ و ۷۷ [2] حوالہ بالا [3] حاشیہ کتاب الخراج لیحیی ص ۵۷ [4] احکام القرآن (ج ۳)

ابو بکر جصاصؒ ان الفاظ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ

اگر تم زمین کی آبادی سے عاجز رہو گے تو ہم آباد کرائیں گے تاکہ حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پائمال نہ ہوں۔ پھر آگے چل کر کہتے ہیں

یہ قانون مفتوحین ہی کی زمین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ تمام زمینیں جن کی آبادی سے لوگ عاجز رہیں ان کا انتظام و بندوبست خلیفہ کے ذمہ ہے۔[1]

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اقوال سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ آراضیِ مفتوحہ میں اصل باشندوں کو اور اہل قطاع کو تصرفات میں آزادی حاصل نہ تھی بشرطیکہ وہ تصرفات اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہوتے، ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

نیز اسلامی جنگوں میں مفتوحہ زمین کے باشندے غلام نہ قرار دیئے جاتے تھے کیونکہ اسلام تو غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کے لئے آیا ہے نہ کہ اس کو قایم رکھنے اور رواج دینے کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ بعض سیاسی و معاشی حالات کی مجبوری کی وجہ سے ابتداءً ممانعت کا قانون نہ نافذ کر سکا اور بتدریج اس کے ختم کرنے کی راہیں نکالیں۔[2]

جب اسلامی قبضہ کے بعد مفتوحین اپنی فطری حریت پر باقی رہتے تو آراضی اور ان کی تمام اشیاء پر فطری آزادی برقرار رہنی لازمی تھی تاکہ ہر لحاظ سے مصئون و مامون ہو کر خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اسلام ہر طرح سے ان کے لئے رحمت ثابت ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ ساری زمینیں حقیقتاً اللہ کی ملک ہوتیں اور خلافت کے انتظام و نگرانی میں رہتی تھیں کاشتکار و صاحب زمین کی حیثیت محض امین کی ہوتی تھی۔

جب تک مقصد (خلق اللہ کا عام مفاد) پورا ہوتا رہتا نہ خلافت کو بے دخل کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ تصرفات کو محدود کرنے کی حاجت ہوتی اور جب یہ مقصد پائمال ہونے لگتا یا حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا تو بلا تخصیص و ترجیح فاتح و مفتوح مسلم و غیر مسلم صاحب زمین کو بے دخل کر دینے یا اس کے تصرفات کو محدود کرنے کا پورا اختیار ہوتا تھا۔

---

[1] حوالہ بالا [2] احکام القرآن للجصاصؒ (ج ۳) ص ۱۲